کیا سُلطان بلبن کی کوئی بیٹی حضرت بابا صاحبؒ سے منسوب تھی؟

پروفیسر محمد اسلم، شعبۂ تاریخ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

سُلطان غیاث الدین بلبن کی بیٹی کے ساتھ بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے عقد کا واقعہ زبان زدِ خلائق ہے۔ اس موضوع پر راقم السطور نے جو تحقیق کی ہے وہ ہدیۂ قارئین ہے، اس سوال کے جواب کے لیے سب سے پہلے ہم حضرت بابا صاحبؒ کے محرم راز، سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

فوائد الفواد، حضرت سلطان المشائخ کے ملفوظات کا ایک بیش قیمت مجموعہ ہے جسے ان کے فاضل مرید خواجہ حسن سجزی نے مرتب کیا تھا، اس کتاب کی تاریخی حیثیت ہمیشہ شک و شبہ سے بالاتر رہی ہے، چشتیہ نظامیہ سلسلہ سے وابستہ فقراء کے نزدیک اس کا وہی مقام ہے جو سہروردیہ سلسلہ کے درویشوں کے ہاں حضرت ابو حفص شہاب الدین عمر سہروردیؒ کی عوارف المعارف کا ہے، حضرت نظام الدین اولیاء سے زیادہ بابا صاحب کا کوئی دوسرا محرم راز نہ تھا تاہم اس ۲۶۴ صفحات کی ضخیم کتاب میں جہاں بابا صاحبؒ کے بے شمار فضائل بیان کئے گئے ہیں وہاں سلطان غیاث الدین بلبن کی بیٹی کے ساتھ ان کے رشتہ کا اصلاً کوئی ذکر موجود نہیں، اگر ایسا ازدواجی رشتہ موجود ہوتا تو حضرت نظام الدین اولیا اس کا کبھی نہ کبھی تو ضرور ہی ذکر فرماتے[1]

امیر حسن سجزی کی طرح سید محمد مبارک امیر خورد کرمانی بھی حضرت سلطان المشائخ کے دامن ارادت سے وابستہ تھے اور انھوں نے سیر الاولیاء کے نام سے خواجگانِ چشت کے سوانح پر ۵۶۴ صفحات کی ایک

---

[1] امیر حسن سجزی، فوائد الفواد، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء

ضخیم کتاب اپنی یادگار چھوڑی ہے، اس کتاب میں بابا صاحبؒ کے حالات ۷۵ صفحہ سے ۹۱ صفحہ تک پھیلے ہوئے ہیں[1] بابا صاحبؒ کے سوانح حیات پر سید امیر خورد نے بڑی سیر حاصل بحث کی ہے اور ان کی زندگی کا کوئی پہلو فاضل مصنف کی نگاہِ باریک بیں سے اوجھل نہیں رہا۔ اس کتاب کے اندراجات کے متعلق پروفیسر شیخ عبدالرشید صاحب رقمطراز ہیں:[2]

"اس کتاب میں بابا فریدؒ کی زندگی کے واقعات بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اور ان کے علاوہ ان کے خاندان اور خلفاء کے حالات بھی اس کتاب میں مندرج ہیں، امیر خورد کی معلومات اپنے گھرانے کی یادداشت پر مبنی ہیں یا پھر خواجہ نظام الدینؒ کے ارادت مندوں سے حاصل کی گئی ہیں جنھوں نے اس سرمایہ کو محفوظ کر لیا تھا۔"

اس کے باوجود اس کتاب میں بابا صاحبؒ اور سلطان بلبن کی بیٹی کے رشتہ کا مطلق کوئی ذکر موجود نہیں۔ حالانکہ امیر خورد نے ان کے بیٹوں، بیٹیوں، پوتوں اور نواسوں تک کے حالات بالتفصیل لکھے ہیں۔

سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کے جانشین حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے ملفوظات ان کے ایک مرید حمید قلندر نے خیر المجالس کے نام سے مرتب کئے تھے جنھیں پروفیسر خلیق احمد نظامی نے بڑے خوبصورت ٹائپ میں علیگڈھ سے شائع کیا ہے۔[3] ۳۰۷ صفحات کی اس عظیم کتاب میں بھی اس واقعہ کا سرے سے کوئی ذکر ہی موجود نہیں ہے، اگر حضرت نصیر الدینؒ نے ایسی کوئی بات حضرت نظام الدین کی زبان حقیقت بیان سے کبھی سنی ہوتی تو وہ اس کا کبھی نہ کبھی تو اپنی مجلس میں ذکر فرماتے۔

عہد سلطنت کے ...... سب سے نامور مؤرخ ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی میں سلطان

---

[1] امیر خورد، سیر الاولیاء۔ دہلی ۱۳۰۲ھ

[2] پروفیسر شیخ عبدالرشید، ہسٹورینز آف انڈیا، پاکستان اینڈ سیلون، مطبوعہ لندن ۱۹۶۱ء۔ ص ۱۳۵

[3] حمید قلندر، خیر المجالس، مطبوعہ علی گڈھ، ۱۹۵۹ء

بلبن کے حالات ۱۷۱ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں لیکن اس کتاب میں بھی سلطان بلبن کی بیٹی کے ساتھ بابا صاحب کی نسبت کا کوئی ذکر موجود نہیں[1]۔ اس پر لطف یہ ہے کہ ضیاء الدین برنی حضرت سلطان المشائخ کے دامن ارادت سے وابستہ تھا اور اگر اس نے کبھی حضرت محبوب الٰہیؒ کی زبان فیض ترجمان سے ایسی بات سنی ہوتی یا کسی اور ذریعہ سے اُسے اس رشتہ کا علم ہوتا تو بڑے فخر کے ساتھ اس بات کا ذکر کرتا۔ اس کی تاریخ فیروز شاہی، بابا صاحب اور سلطان بلبن کی لاتعلقی پر ایک خاموش گواہ کی حیثیت سے آپ کے سامنے پیش ہے۔

عہد فیروزی کے مشہور مؤرخ شمس سراج عفیف نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف، تاریخ فیروز شاہی میں مشائخ چشت کا جا بجا ذکر کیا ہے، فاضل مصنف بابا صاحبؒ کے خلیفۂ اول حضرت قطب جمال ہانسویؒ کے جلیل القدر پوتے حضرت قطب الدین منورؒ کا مرید تھا، اس نے اپنے مشائخ کے فضائل و مناقب بڑے عمدہ پیرایہ میں بیان کئے ہیں لیکن اس کی ۵۱۶ صفحات کی تاریخ فیروز شاہی بابا صاحب اور سلطان بلبن کی بیٹی کی لاتعلقی پر بہترین گواہ کی حیثیت سے ہمارے سامنے پیش ہے[2]۔

یحییٰ سہرندی، خاندان سادات کے عہد میں ایک نامور مؤرخ گذرا ہے۔ اس کی تاریخ مبارکشاہی علمی حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ اس نے اپنی تاریخ میں سلطان بلبن کا ذکر ۳۹ صفحہ سے ۵۲ صفحہ تک کیا ہے لیکن وہ بھی بابا صاحب اور بنت بلبن کے رشتہ سے بے خبر تھا[3]۔

شیخ جمالی، سلطان سکندر لودھی کے استاد اور اکبر کے سب سے پہلے صدرالصدور شیخ گدائی کے والد، اپنے زمانے میں بڑے نامور صوفی اور شاعر ہو گذرے ہیں۔ مولانا جامی کے ساتھ ان کے تعلقات کے سلسلہ میں اکثر دلچسپ لطائف ہم میں سے اکثر اصحاب نے سنے ہوں گے۔ شیخ جمالی نے خواجگان چشت کے حالات سیر العارفین میں بڑی محنت سے، اور اگر اسے مبالغہ نہ سمجھا جائے تو سب سے پہلے، سائنٹفک طریقہ پر

---

۱ ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، جلد اول، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۵۷ء، ص ۲۹ — ۱۴۶۔

۲ شمس سراج عفیف، تاریخ فیروز شاہی، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۹۱ء۔

۳ یحییٰ سہرندی، تاریخ مبارک شاہی، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۳۱ء، ص ۳۹ - ۵۲

قلمبند کئے ہیں۔ اس کتاب میں بابا صاحبؒ کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے شیخ جمالی رقمطراز ہیں کہ سلطان ناصرالدین محمود کے عہد میں بلبن جوان دنوں اُلغ خان کے لقب سے ملقب اور سلطان کا وزیر تھا، چار گاؤں کی جاگیر کا قبالہ لیکر بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے یہ فرماتے ہوئے کہ :۔

"ہرکرا طالب و راغب دانید برسانید"

اس کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ اس موقعہ پر بھی شیخ جمالی نے کسی ازدواجی رشتہ کا ذکر نہیں فرمایا حالانکہ یہ اس کے بیان کا بہترین موقعہ تھا[1]

بابر و ہمایوں کے عہد میں چشتیہ سلسلہ میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ بڑے نامور بزرگ ہو گذرے ہیں۔ اور جن مشائخ نے ہمایوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے تحریک چلائی تھی، آپ ان کے علمبردار تھے، آپ کے ملفوظات آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ رکن الدینؒ نے مرتب کئے تھے۔ یہ ملفوظات دہلی سے مدت ہوئی شائع ہو چکے ہیں ان میں بھی حضرت بابا صاحبؒ اور زینبِ بلبن کے رشتہ کا کہیں ذکر نہیں آیا[2]

ملا نظام الدین احمد، صاحب طبقاتِ اکبری و مرتب تاریخ الفی عہد اکبری میں نامور مؤرخ ہو گذرا ہے۔ اس نے طبقاتِ اکبری میں سلطان غیاث الدین بلبن کا ذکر صفحہ ۸۰ سے صفحہ ۱۰۳ تک کیا ہے۔ بلبن کے اوصافِ حمیدہ کا ذکر کرتے ہوئے ملا صاحب رقمطراز ہیں[3]:

"بصیامِ نفل و قیام شب و مواظبت جمع و جماعات و نماز اشراق و تہجد اشتغال داشت و اصلاً بے وضو نبودے و بے حضور علماء و صلحاء دست بطعام نبردے، و در وقت طعام خوردن مسائلِ شرعی از علماء تحقیق نمودے و در خانہای بزرگان رفتے و بعد از نماز جمعہ زیارت مقابر کردے و در جنازۂ اکابر حاضر شدے و تعزیت رفتے و پسران و خویشان میت را بخلعت

---

[1] شیخ جمالی، سیر العارفین، قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری نمبر ۵ II P ، ورق ۳۷ الف تا ۵۴ ب،

[2] لطائف قدوسی، مطبوعہ دہلی ۱۳۱۱ھ، تعداد صفحات ۱۰۷

[3] نظام الدین احمد، طبقاتِ اکبری، جلد اول، کلکتہ ۱۹۲۷ء ص ۸۲

نوازش فرمود سے روز وظیفہ میت بروارثان او مقرر داشتے وبا چندیں حشمت و دبدبہ اگر در حین سواری جزیانے یکے کز فلاں جا مجلس وعظ است در ساعت فرود آمدے وتذکیر شنیدے وگریہ کردے"
نظام الدین احمد نے اس کے اوصافِ حمیدہ میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ اس نے اپنی دختر نیک اختر ایک درویش کے عقد میں دے دی تھی۔

اسی عہد کے دوسرے نامور اور شہرۂ آفاق مؤرخ ملّا عبد القادر بدایونی کی منتخب التواریخ کی تینوں جلدیں میرے پیش نظر ہیں۔ جلد اول میں غیاث الدین بلبن کا ذکر ۱۲۷ صفحہ سے ۱۵۷ صفحے تک پھیلا ہوا ہے[1] ملّا صاحب نے بھی سنی العقیدہ اور معتقدِ فقرا رہونے کے باوجود بابا صاحب کے ساتھ اس کی بیٹی کے رشتہ کا مطلق ذکر نہیں فرمایا۔ حالانکہ ملا صاحب بال کی کھال اتارنے اور رائی کا پہاڑ بنانے میں اپنی مثال آپ ہیں۔ تاہم انھوں نے اس بات کا ذکر اشارۃً بھی نہیں فرمایا۔

ابو القاسم ہندو شاہ فرشتہ اکبر کے عہد میں ایک نامور مؤرخ ہو گذرا ہے جس کی تاریخ گلزار ابراہیمی ہے جو عوام میں تاریخ فرشتہ کے نام سے مشہور ہے تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے، گلزار ابراہیمی میں فرشتہ نے ہندوستان کے اولیائے عظام کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے چنانچہ بابا صاحبؒ کے سوانح حیات فل سکیپ سائز کے ۱۴ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں[2] بابا صاحبؒ کے متعلق فرشتہ کی معلومات ہم میں سے اکثر وبیشتر اشخاص سے کہیں زیادہ ہیں، لیکن اس کے باوجود سلطان بلبن کی بیٹی کے ساتھ بابا صاحبؒ کے رشتہ سے وہ بھی بے خبر تھا۔

ابو الفضل علامی مغل شاہنشاہ اکبر کا وزیر اعلیٰ اور اپنے زمانے کا بہترین اہل قلم تھا، اس کی تصانیف میں سے انشائے ابو الفضل، آئین اکبری اور اکبر نامہ اس کی علمیت پر دال ہیں،
اکبر نامہ، ابو الفضل کی بڑی اہم تصنیف ہے جو تین جلدوں میں طبع ہو چکی ہے ہر چند کہ یہ کتاب عہد اکبری کے

---

[1] منتخب التواریخ، جلد اول، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۹ء، ص ۱۲۷ — ۱۵۷۔
[2] فرشتہ، گلزار ابراہیمی، جلد دوم مطبوعہ ۱۸۳۲ء، ص ۱۵ — ۲۹۔

واقعات پر مشتمل ہے تاہم اس میں بزرگانِ دین کا ذکرِ خیر بھی ضمناً آگیا ہے، اکبر نامہ جلد دوم میں بابا صاحبؒ ذکرِ خیر موجود ہے لیکن بنتِ بلبن سے ان کی نسبت کا ذکر موجود نہیں ہے۔[1]

آئینِ اکبری، اس کی دوسری اہم کتاب ہے، اس کی تیسری جلد کا انگریزی ترجمہ کرنل ایچ، ایس، جیرٹ نے کلکتہ سے ۱۸۹۴ء میں شائع کیا تھا، اس کتاب میں "اولیائے ہند" کے عنوان سے ابوالفضل نے جن بزرگانِ دین کے سوانح حیات پر قلم اٹھایا ہے ان میں بابا صاحبؒ کا نام نامی بھی موجود ہے،[2] لیکن سلطان بلبن کی بیٹی کے ساتھ ان کے رشتہ سے ابوالفضل بھی بے خبر ہے، اگر ابوالفضل اکبر نامہ میں یہ بات لکھنی بھول گیا تھا تو آئینِ اکبری میں ہی اس کا ذکر آجانا چاہیے تھا۔

عبدالباقی نہاوندی، عبدالرحیم خانخاناں کے دسترخوان کرم کا ریزہ چین تھا، اس نے اپنے محسن، اس کے آباواجداد، ہم عصر علماء، شعراء اور فضلاء کا ذکر بڑے عمدہ پیرایہ میں کیا ہے، اس کی مایۂ ناز تصنیف مآثرِ رحیمی جو ۱۹۲۴ء میں کلکتہ سے چار جلدوں میں شائع ہوچکی ہے اس کی پہلی جلد میں ہندوستان کے قدیم سلاطین کا ذکر بھی موجود ہے، اس ضمن میں اس نے سلطان بلبن کے سوانحِ حیات بھی قلمبند کئے ہیں لیکن وہ بھی ایسے رشتہ سے بے خبر تھا۔[3]

بزرگوں کے سوانحِ حیات پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اخبار الاخیار اس پایہ کی کتاب ہے کہ جہانگیر نے بھی اپنی تزک میں اس کتاب کی تصنیف پر شیخ محدث کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔[4] اس کتاب کے بارہ میں اتنا لکھنا ہی کافی ہوگا کہ شیخ محدث کے بعد آنے والے تمام تذکرہ نویسوں نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ اخبار الاخیار میں بابا صاحبؒ کا ذکرِ خیر بھی موجود ہے لیکن بلبن کی بیٹی کے ساتھ ان کی نسبت پر شیخ موصوف

۱؎ ابوالفضل، اکبر نامہ، جلد دوم، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۷۹ء، ص ۳۵۹،

۲؎ ابوالفضل، آئینِ اکبری، جلد سوم، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۹۴ء ص ۳۶۳-۳۶۴،

۳؎ عبدالباقی نہاوندی، مآثر رحیمی، جلد اول، کلکتہ ۱۹۲۴ء ص ۳۰۵، ۳۰۶،

۴؎ تزک جہانگیری، (سر سید ایڈیشن) علی گڑھ ۱۸۶۴ء، ص ۲۸۲۔

بھی خاموش ہیں[51]

محمد غوثی مندوی صاحب گلزار ابرار، عہد اکبری و جہانگیری میں مشہور تذکرہ نویس ہو گذرے ہیں، گلزار ابرار کا اردو ترجمہ کو ہدت ہوئی اذکار ابرار کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ لیکن اصل کتاب ہنوز زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی، اس کا ایک بڑا عمدہ قلمی نسخہ جان ریے لینڈ لائبریری مانچسٹر میں محفوظ ہے جس کی مائیکرو فلم میرے پاس موجود ہے۔ محمد غوثی نے آٹھ صفحات پر بابا صاحب اور اُن کی اولاد اور خلفاء کے حالات درج کئے ہیں جن کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی بنت بلبن اور بابا صاحبؒ کے رشتہ سے بے خبر تھا[52]

حضرت مجدد الف ثانی کے صاحبزادے خواجہ محمد معصومؒ کے ایک مرید علی اکبر حسینی اردستانی نے مجمع الاولیاء کے نام سے تقریباً ڈیڑھ ہزار صفحات کی ایک عظیم اور ضخیم کتاب شاہجہاں کی تخت نشینی کے چھ سال بعد قلمبند کی تھی۔ اس کا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے جس کی مائیکروفلم میرے پاس موجود ہے۔ اس کتاب میں بابا صاحبؒ کے سوانح حیات بھی ملتے ہیں لیکن اس رشتہ کا ذکر کہیں موجود نہیں[53]۔ حالانکہ مجمع الاولیاء ایک ایسی کتاب ہے کہ اس میں بعض ایسے واقعات بھی ملتے ہیں جو صرف سننے میں آتے ہیں لیکن پڑھنے میں نہیں آتے۔

مجمع الاولیاء کی تصنیف کے چھ سال بعد ۱۰۴۹ھ میں شہزادہ دارا شکوہ نے بزرگانِ دین کے سوانح حیات پر سفینۃ الاولیاء کے نام سے ایک کتاب مرتب کی، اس میں بھی بابا صاحب کا ذکر خیر موجود ہے[54] اگر سلطان بلبن کی کوئی بیٹی بابا صاحبؒ کے حرم میں ہوتی تو شہزادہ دارا شکوہ اس کا ذکر بڑے

---

[51] شیخ عبد الحق محدث، اخبار الاخیار، مطبوعہ دہلی ۱۳۳۲ھ، ص ۵۲-۵۴

[52] گلزار ابرار، فارسی مخطوطہ نمبر ۱۸۵، جان رے لینڈ لائبریری مانچسٹر، ورق ۲۶ الف تا ۲۹ ب۔

[53] مجمع الاولیاء۔ انڈیا آفس لائبریری، مخطوطہ نمبر ایتھے ۶۴۵، ورق ۶۵ الف تا ۶۵۲ ب،

[54] دارا شکوہ، سفینۃ الاولیاء، مطبوعہ نولکشور ۱۸۷۲ء، ص ۹۶-۹۷۔

فخریہ پیرائے میں کرتا۔ یہ بڑے اچنبھے کی بات ہے کہ داراشکوہ نے بابا صاحبؒ اور ان کی ایک رفیقۂ حیات کا مکالمہ نقل کیا ہے جس میں وہ نیک بخت بابا صاحبؒ سے تنگ دستی اور فاقہ مستی کا گلہ کرتی ہے، کم از کم ایسے موقع پر تو داراشکوہ یہ کہنے میں حق بجانب تھا کہ وہ سلطان بلبن کی بیٹی تھی اور اس کا اچھا وقت دیکھا ہوا تھا اب فاقوں کی نوبت آئی تو بابا صاحبؒ سے شکوہ کرنے لگی۔

داراشکوہ کی بہن شہزادی جہاں آرا نے اپنے طور پر خواجگانِ چشت کے سوانح حیات مونس الارواح کے نام سے مرتب کئے تھے، اس کتاب میں بابا صاحب کا ذکر خیر آٹھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے[1] اسے پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ جہاں آرا بھی خواجگانِ چشت سے عقیدت کے باوجود بابا صاحبؒ اور بنتِ بلبن کے رشتہ سے بے خبر تھی۔

عہدِ عالمگیری کے مشہور مؤرخ بختاور خاں کی ریاض الاولیا بھی اسی سلسلے کی ایک اہم اور ضخیم کتاب ہے۔ یہ کتاب بھی بدقسمتی سے ہنوز طبع نہیں ہوئی، اس کا ایک قلمی نسخہ برٹش میوزیم لندن میں محفوظ ہے جس کی مائیکروفلم میرے پاس موجود ہے۔ اس میں بابا صاحبؒ کے سوانح حیات بھی مندرج ہیں لیکن بنتِ بلبن کے ساتھ ان کے رشتۂ ازدواج کا ذکر موجود نہیں ہے[2]

اسی سلسلے کی ایک کتاب سفینۃ العارفین، مرتبہ محمد امان کا ایک قلمی نسخہ برٹش میوزیم لندن میں محفوظ ہے جس کی مائیکروفلم میرے پاس موجود ہے، اس میں بابا صاحبؒ کا ذکرِ خیر مندرج ہے لیکن محمد امان بھی بنتِ بلبن کے ساتھ ان کے تعلق سے بے خبر ہے[3]

بہرحال سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے تک ساڑھے چار سو سال میں جن مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب تواریخ یا صوفیانہ تذکروں میں جہاں کہیں بھی سلطان بلبن یا

---

[1] جہاں آرا۔ مونس الارواح قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی نمبر ۱۱۹۱/ III ۴ PF، ورق ۹۰ ب تا ۹۴ الف

[2] ریاض الاولیا، قلمی نسخہ برٹش میوزیم لندن نمبر اورینٹل ۱۷۴۵، ورق ۵۲ اب تا ۱۵۳ ب

[3] سفینۃ العارفین قلمی نسخہ، برٹش میوزیم لندن نمبر اورینٹل ۲۱۳، ورق ۲۲ الف، ۲۲ ب

باباصاحبؒ کا ذکرِ خیر آیا ہے وہ ہمارے پیشِ نظر ہے۔ ان کتابوں میں باباصاحب اور سلطان بلبن کی بیٹی کی نسبت کا کسی نے نقل کر تو کیا اشارۃً یا کنایۃً بھی ذکر نہیں کیا، اگر اس مفروضہ میں کچھ بھی حقیقت ہوتی تو کوئی نہ کوئی تذکرہ نویس اس کا ذکر ضرور کرتا۔ آخر اتنا اہم اور بڑا واقعہ تاریخ نگاروں یا تذکرہ نویسوں کی نظروں سے کیونکر اوجھل رہ سکتا تھا۔

انگریزی عہد میں جب پہلی بار ۱۸۸۴ء میں گزٹیئر آف منٹگمری ڈسٹرکٹ شائع ہوا تو اس میں بھی باباصاحبؒ کا ذکرِ خیر موجود تھا، اس کتاب میں بھی باباصاحب کے سوانح حیات کے ضمن میں فاضل مرتب نے بنتِ بلبن کے ساتھ ان کی نسبت کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے[1]

زمانۂ حال کے مؤرخوں اور تذکرہ نویسوں میں ڈاکٹر شیخ محمد اکرام صاحب کا بڑا اونچا مقام ہے۔ آپ نے "آبِ کوثر" میں بارہ صفحات میں باباصاحبؒ کے سوانح حیات قلمبند کئے ہیں، سلطان بلبن اور باباصاحب کے تعلقات کے ضمن میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ سلطان بلبن اپنے زمانۂ وزارت میں باباصاحب کی خدمت میں چار گاؤں کی ایک جاگیر کا پروانہ لے کر حاضر ہوا لیکن باباصاحب نے اس پیشکش کو مسترد کر دیا، بلبن کی بیٹی کے ساتھ باباصاحبؒ کی نسبت کا ذکر کرنے کا یہ بہترین موقع تھا لیکن شیخ صاحب بھی اس نسبت کے متعلق خاموش ہیں[2]

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں آرٹیکل "فریدالدین مسعود گنج شکر" موجود ہے اور فاضل مصنف نے ببلیوگرافی میں بے شمار ایسی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کے نام گنوائے ہیں جن میں باباصاحب کا ذکرِ خیر موجود ہے لیکن اسے بھی ایسی کوئی شہادت نہ مل سکی جس سے یہ ثابت ہو تا کہ باباصاحب کے نکاح میں سلطان بلبن کی کوئی بیٹی بھی تھی۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی جو اس زمانے میں عہدِ سلطنت کی تاریخ و ثقافت اور چشتیہ خاندان کے

---

[1] گزٹیئر آف دی منٹگمری ڈسٹرکٹ، مطبوعہ لاہور ۱۸۸۴ء، ص ۱۸۴ — ۱۸۵۔

[2] آبِ کوثر، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۲ء، ص ۲۴۴ - ۲۵۸

بزرگوں پر ایک بڑی سند سمجھے جاتے ہیں ان کی کتاب "دی لائف اینڈ ٹائمز آف حضرت فریدالدین گنج شکرؒ" علی گڑھ سے شائع ہو چکی ہے۔ مشہور مستشرق اور ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر سر ہملٹن گب کا یہ اصول تھا کہ انہوں نے کبھی کسی کتاب پر تقریظ نہیں لکھی تھی لیکن اس کتاب میں پروفیسر نظامی کی تحقیق و کاوش ملاحظہ کرتے ہوئے انھوں نے پہلی بار اپنا اصول توڑا۔ آپ کو شاید یہ جان کر مایوسی ہوگی کہ اس کتاب میں بھی کسی ایسی نسبت کا ذکر موجود نہیں ہے۔ ؎۱

"سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات" پروفیسر نظامی کی ایک مایۂ ناز تصنیف ہے اور حق تو یہ ہے کہ آج تک اس موضوع پر ایسی پُرمغز کتاب کسی اسکالر کے قلم سے نہیں نکلی، اس میں سلطان بلبن کے مذہبی رجحانات کے ضمن میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

"جواہر فریدی میں گلشن اولیاء کے حوالے سے یہ روایت درج کی گئی ہے کہ بلبن کی ایک بیٹی کی شادی بابا صاحبؒ سے ہوئی تھی اور بعد کے تذکروں میں اس سلسلہ میں بہت سے قصے بھی بیان کئے گئے ہیں لیکن کئی وجوہ کی بنا پر ہم اس روایت کو صحیح تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں۔ اول تو یہ کہ کسی معاصر مورخ یا تذکرہ نویس نے اس کا ذکر نہیں کیا، برنی کی تاریخ اور میر خورد کے تذکرہ میں متعدد مقامات ایسے آئے ہیں جہاں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر یہ روایت کسی حقیقت پر مبنی ہوتی تو وہ اس کا ضرور ذکر کرتے، علاوہ ازیں بابا صاحب کا سلاطین اور امراء کی طرف جو رویہ تھا اس کے پیش نظر اس قسم کے رشتہ کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔" ؎۲

یہ بڑے اچنبے کی بات ہے کہ وہ واقعات جن کا ذکر بلبن کے عہد سے لے کر اورنگ زیب کے عہد تک کسی مورخ یا تذکرہ نویس نے نہیں کیا اُن کا ذکر گذشتہ صدی کے اواخر میں شائع ہونے والی کتابوں مثلاً خزینۃ الاصفیا، حقیقت گلزار صابری، جواہر فریدی اور چراغ الجشت میں موجود ہے، مؤخر الذکر تینوں

؎۱ خلیق احمد نظامی، دی لائف اینڈ ٹائمز آف حضرت فریدالدین گنج شکر، مطبوعہ علی گڈھ ۱۹۵۵ء۔

؎۲ خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، مطبوعہ دہلی ۱۹۵۸ء، ص ۱۹۷

کتابوں میں اکثر و بیشتر ایسے بے سروپا قصے پڑھنے میں آتے ہیں کہ ان کا ذکر کرنے کی تہذیب اجازت نہیں دیتی۔ ان کتابوں کا تاریخ سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی فنِ تذکرہ نویسی کے معیار پر پورا اترتی ہیں، ان کتابوں میں فوائد السالکین، راحت القلوب اور افضل الفوائد جیسی غیر صحیح کتابوں کے حوالوں سے بہت سی باتیں نقل کی گئی ہیں جو حقیقت سے بعید ہیں، اسی طرح اُن کے مصنف اکثر جگہ بابا صاحبؒ کی زندگی کا کوئی واقعہ بیان کرتے ہوئے یوں لکھنے کے عادی ہیں "نقل ہے کہ" اور محدثین کی اصطلاح میں ایسا شخص جو واقعہ بیان کرے لیکن راوی کا نام چھپائے اُسے مدلس کہتے ہیں اور ایسے بزرگوں کے سوانح حیات پر طبقات المدلسین نام کی ایک کتاب موجود ہے۔ اسی طرح اِن کتابوں میں افراط و تفریط بھی بہت پائی جاتی ہے۔ بابا صاحب نے بقول امیر خورد اور شیخ محدث چالیس شب چلہ معکوس کیا تھا ۵ھ انیسویں صدی کے تذکرہ نویسوں نے چالیس شب کو پانچ سال پھر بارہ سال اور آخر میں چالیس سال بنا دیا۔

مفتی غلام سرور لاہوری کی خزینۃ الاصفیاء پر بھی مؤرخ اور تذکرہ نویس اعتماد کرتے ہیں، مشہور مستشرق پروفیسر آربری نے اس کتاب کی تعریف میں یہاں تک لکھ دیا ہے کہ یہ صوفیائے کرام کا پہلا تذکرہ ہے جو سائنٹفک طریقہ پر لکھا گیا ہے۔ مفتی صاحب نے خدا جانے کس بنا پر یہ لکھ دیا ہے کہ سلطان بلبن کی بیٹی ہزیرہ بانو بابا صاحبؒ کے حرم میں تھی، مفتی صاحب نے بنت بلبن کا نام بھی کہیں سے ڈھونڈھ نکالا ہے۔ مفتی صاحب کی خزینۃ الاصفیاء جس کی پروفیسر آربری نے اتنی تعریف کی ہے رطب و یابس سے پُر ہے، مفتی صاحب کو خود پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کیا لکھ رہے ہیں، مثلاً ایک جگہ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ جب داتا گنج بخش علی ہجویریؒ لاہور تشریف لائے تو لوگ حسین زنجانیؒ کا جنازہ اُٹھائے لیے جا رہے تھے ۶ھ دوسرے موقعہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ داتا صاحبؒ بقول

۵ھ : سیر الاولیاء، ص ۷۰، ۱۱: اخبار الاخیار، ص ۵۳،

۶ھ مفتی غلام سرور، خزینۃ الاصفیاء، جلد دوم، مطبوعہ کانپور ۱۹۱۴ء، ص ۲۳۴،

بعض نے ۴۶۲ھ اور بقول بعض ۴۶۵ھ میں وفات پائی [1] اور تیسرے موقع پر تحریر فرماتے ہیں کہ حسین زنجانی کا انتقال ۶۰۰ھ میں ہوا [2] یعنی داتا صاحب کی وفات کے ۱۴۰ یا ۱۳۵ سال بعد جب خزینۃ الاصفیاء میں اس طرح روایات عام ہوں تو اس پر اعتماد کیونکر کیا جا سکتا ہے۔

اسی سلسلہ میں سیر الاقطاب مصنفہ شیخ الہدیہ چشتی کا ذکر بیجا نہ ہوگا، اس کتاب میں بابا صاحبؒ کا ذکر خیر سترہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ مصنف دیباچہ میں رقمطراز ہے کہ اس نے یہ کتاب "سن ستۃ و ثلثین والف" میں "حضرت ابوالمظفر شہاب الدین محمد صاحب قران ثانی شاہ جہاں غازی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ" کے عہد میں لکھی ہے [3] شاہجہاں "سن سبع و ثلثین و الف" میں تخت نشین ہوا تھا۔ کم از کم ایک ہم عصر تذکرہ نویس ایسی غلطی کا مرتکب نہیں ہو سکتا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب بھی وضعی ہے اور اس کی روایات پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

آئیے اب دوسرے شواہد سے اس روایت کا تجزیہ کریں۔

۱۔ بابا صاحبؒ نے ۱۲۶۵ء میں پچانوے سال کی عمر میں وفات پائی۔ بابا صاحبؒ کی عمر کے متعلق امیر خورد نے ایک بار حضرت نظام الدین اولیاء سے سوال کیا تھا کہ "عمر شریف حضرت شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز چند سال بود؟" آپ نے ارشاد فرمایا "نود و پنج سال" [4] غیاث الدین بلبن بابا صاحبؒ کی وفات کے ایک سال بعد ۱۲۶۶ء میں تخت نشین ہوا، اگر ہم یہ کہیں کہ بلبن نے اپنے زمانۂ وزارت میں اپنی بیٹی کا عقد بابا صاحبؒ کے ساتھ کر دیا تھا تو اس وقت یہ بات ذہن میں ہونی چاہیے کہ جب ناصر الدین محمود نے بلبن کو قلمدانِ وزارت سونپا تو اس وقت بابا صاحبؒ کی عمر ۷۰ سال اور بلبن کی عمر ۴۰ سال کے لگ بھگ تھی، اس طرح بلبن کی بیٹی اگر وہ بابا صاحبؒ سے منسوبہ

---

[1] ایضاً، ص ۲۳۴۔ [2] ایضاً، ص ۲۵۱

[3] شیخ الہدیہ، سیر الاقطاب، مطبوعہ نولکشور ۱۹۱۳ء، ص ۳

[4] سیر الاولیاء، مطبوعہ دہلی ۱۳۰۲ھ، ص ۹۱۔

ہوتی تو اس کی عمر زیادہ سے زیادہ بیس برس ہونی چاہیے تھی، بابا صاحبؒ اور بنتِ بلبن کی عمروں میں اس قدر تفاوت کے پیشِ نظر یہ رشتہ طے ہونا ناممکن سا تھا، ہم یہ جانتے ہیں کہ بلبن کے عہدۂ وزارت پر متمکن ہونے سے پہلے اس کی ایک بیٹی ناصر الدین محمود کے عقد میں تھی اور اس کی اگر کوئی دوسری بیٹی ہوتی تو وہ اور بھی کم سن ہوتی، اس طرح میرے خیال میں ایسا رشتہ ہونا ناممکن تھا۔

۲۔ کتبِ تواریخ میں سلطان بلبن کی اولاد کے ضمن میں فقط سلطان محمد، بغرا خان اور ایک بیٹی کا ذکر ملتا ہے جو ناصر الدین محمود کے حرم میں تھی، ان تینوں بچوں کے علاوہ اور کسی بچے کا نام پڑھنے میں نہیں آیا۔ ویسے بھی بلبن موجودہ اصطلاح میں "خاندانی منصوبہ بندی" کا بڑا حامی تھا۔ اس کی تفصیل ذرا بغرا خان کی زبانی سنیے: ۵؎

"پدر را سلطان بلبن کہ در تجارب ملکی و خانی و بادشاہی بے نظیر زندہ بود بارہا بگفتی کہ من می توانم کہ از زنان و کنیزکان پسران و دختران بسیار بزایم ولیکن از بزرگان دین و دولت شنیدہ ام کہ بادشاہ را پسران و دختران بسیار نشاید چہ اگر ملک بدست یک پسر افتد ہماں پسر برادران و برادرزادگان را شریک ملک خود داند یا بر ہمہ را بکشد و یا در اقلیم ہائی دُور دست جلا کند ایمن نشود، و دامادان بادشاہ را از جہت دختران بادشاہ بوی بادشاہی در دماغ افتد و بہماں بوی ایشاں را زندہ بودن نگذارد۔"

سطورِ بالا کی روشنی میں یہ بات یقینی کہی جا سکتی ہے کہ سلطان بلبن کی ایک بیٹی کے علاوہ، جو ناصر الدین محمود کے حرم میں تھی، دوسری کوئی بیٹی نہ تھی۔

۳۔ سلطان بلبن کا بڑا بیٹا شہزادہ محمد اپنے والد کی زندگی میں ملتان کا گورنر تھا اور اس کے تعلقات خاندان شیخ بہاء الدین زکریا کے ساتھ بڑے خوشگوار تھے۔ اگر اس کی بہن اجودھن ہوتی تو اس کے تعلقات خاندانِ فرید کے ساتھ ان سے بھی زیادہ خوشگوار ہوتے اور وہ ملتان سے اپنی بہن یا اس کی اولاد سے ملاقات کے لیے اکثر اجودھن آیا کرتا۔ کسی تذکرہ نویس یا مؤرخ نے اس کے سفرِ اجودھن کا ذکر نہیں۔

۵؎ برنی: تاریخ فیروز شاہی، جلد اول، علیگڑھ ۱۹۵۷ء، ص ۱۷۲۔

کیا درانحالیکہ امیر خسرو اور امیر حسن سنجری دونوں اس کے درباری تھے،

۴۔ باباصاحبؒ کا امرا اور سلاطین کی طرف جو رویہ تھا وہ اس نصیحت سے عیاں ہے جو انھوں نے سیدی مولہ کو کی تھی، آپ فرماتے ہیں:

"اے سیدی تو درویشی میردی دی خواہی وری بجشائی و باز نام پیدا آری، تو دانی ہرچہ دراں صلاح و صواب خود بینی ہم چناں کنی، اما یک وصیت از من نگہداری، باید کہ با ملوک و امرا اختلاط نہ کنی و آمد و شد ایشاں را در خانقاہ خویش از مہلکات تصور کنی کہ ہر درویشی کہ در اختلاط با ملوک و امرا بکشاید عاقبت او وخیم گردد" ؎۱

سطور بالا کی روشنی میں باباصاحبؒ اور بنت بلبن کا رشتہ ایک مفروضہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔

۵۔ باباصاحبؒ لوگوں کو امرا و سلاطین کے پاس جانے سے روکتے تھے، اگر سلطان بلبن کی کوئی بیٹی ان کے حرم میں ہوتی تو آپ لوگوں کو اس طرح کی نصیحت نہیں کرسکتے تھے، بصورت دگر آپ کی مثال اس شخص جیسی ہوتی جو مسروقہ مرغی بغل میں دبا کر لوگوں کو دیانتداری اور راستبازی کی تلقین کرتا پھرے ؎۲

۶۔ باباصاحبؒ کا سلاطین اور امرا کی طرف جو رویہ تھا وہ اظہر من الشمس ہے۔ سلاطین و امرا تو رہے ایک طرف۔ باباصاحبؒ عوام سے بھی بھاگتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ آپ ہانسی کی سکونت ترک کرکے اجودھن چلے گئے جہاں کے باشندے درویش آزار اور درشت خو مشہور تھے ؎۳ ان حالات میں یہ کیوں کر ممکن تھا کہ باباصاحب بلبن کی بیٹی کے ساتھ عقد کرتے۔

۷۔ باباصاحبؒ کی زندگی اتنی درویشانہ تھی اور آپ اس حد تک قانع تھے کہ آپ نے کریرکے پھل اور پیلو پر مدتوں گذارہ کیا۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ روزہ افطار کرنے کے لیے آپ کے توشہ خانہ سے

؎۱ برنی، تاریخ فیروز شاہی، جلد دوم، مطبوعہ علیگڈھ ۱۹۵۷ء، ص ۳۷

؎۲ خلیق احمد نظامی، "دی لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فریدالدین گنجشکر"، مطبوعہ علی گڈھ ۱۹۵۵ء، ص ۱۰۳،

؎۳ امیر خورد، سیرالاولیا، مطبوعہ دہلی ۱۳۰۲ھ، ص ۶۴۔

چشتی بجز نمک کبھی دستیاب نہ ہو سکا، جب آپ نے رحلت فرمائی تو آپ کے جنازہ پر ڈالنے کے لیے گھر سے چادر بھی نہ مل سکی اور وہ امیر خورد کی دادی نے نذر کی، جب لحد کا منہ بند کرنے کا وقت آیا تو کچی اینٹیں بھی میسر نہ آسکیں اور کسی حجرہ کا دروازہ جو کچی اینٹوں سے بند کیا ہوا تھا اُسے اکھاڑ کر کام چلایا گیا۔ ایسے درویش کو جس کے زہد کا یہ عالم ہو اور جس کے گھر میں کئی کئی دن کا فاقہ ہو اور وہ عالم اضطراب میں سنگریزے منہ میں ڈال لے، جس کے متعلق محمد غوثی منڈوی یہ لکھنے پر مجبور ہو کہ "ہند کے تمام مشائخ متفق اللفظ ہیں کہ ریاضت اور پرورش روح میں گنج شکرؒ کی مانند کوئی درویش پیدا نہیں ہوا" اُسے بلبن جیسا قیصر صفت اور کسریٰ مزاج بادشاہ اپنی بیٹی کا رشتہ دینے سے تو رہا۔

۸۔ بلبن ذات پات کا بڑا قائل تھا اور نیچی ذات کے لوگوں کو دیکھنا بھی پسند نہ کرتا تھا، وہ اکثر کہا کرتا تھا:

"من خود را از آل افراسیاب و از فرزندان افراسیاب از اں می دانم کہ باری تعالیٰ در من خاصیتی آفریدہ است کہ ہیچ کم اصل و دون و سفلہ و رذالہ را در شغل و منصب دولت توانم دید، و بہ مجرد آں کہ ایں طائفہ در نظر من در آیند جملہ رگہائی اعضائے من در جنبش در آید، و چوں حال بریں جملہ باشد کہ با شما گفتم من توانم کہ لئیم و کم اصل و ناکس زادہ را در عہدۂ دولتی، کہ من از خدا یافتہ ام، شریک کنم و شغل و اقطاع و تصرف دہم" ؎[۱]

۹۔ باباصاحبؒ اور بلبن کے نظریات میں بعد المشرقین تھا اس لیے یہ کسی صورت بھی ممکن نہ تھا کہ ان کے درمیان اس طرح کا رشتہ قائم ہو سکتا۔

۱۰۔ بلبن کا اپنے مخدوم زادے اور داماد، ناصر الدین محمود کے ساتھ جو سلوک تھا اس کی ایک جھلک بعض کتب تواریخ میں پائی جاتی ہے۔ بعض مؤرخ یہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ اس نے تمام اختیارات حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیے اور ناصر الدین محمود مجبوراً خانہ نشین ہو گیا اور اس نے وہ ریاضت اور تقویٰ

---

[۱] برنی، تاریخ فیروز شاہی، جلد اول، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۵۷ء، ص ۴۳

اختیار کیا جرأت تک ضرب المثل ہے۔ بعض مؤرخ تو یہاں تک کہہ گئے کہ جب تمام اختیاراتِ حکومت اس نے اپنے ہاتھ میں لے لیے تو تختِ حکومت حاصل کرنے کے لیے اس نے ناصر الدین محمود کو زہر دے کر مار ڈالا،[1] اور عوام میں "خواجہ کُش" کے لقب سے مشہور ہوا۔ سلطان فیروز تغلق کے متعلق روایت ملتی ہے کہ وہ دہلی کے اکثر و بیشتر سلاطین کے مزارات پر فاتحہ خوانی کے لیے جایا کرتا تھا لیکن بلبن کو "خواجہ کُش" سمجھتے ہوئے وہ اس کے مزار پر فاتحہ نہ پڑھتا تھا۔[2]

ناصر الدین محمود کا ذکر لوگ اولیائے اللہ کے زمرہ میں کرتے ہیں۔ اگر بلبن اس جیسے ولی کو مروا سکتا ہے تو بابا صاحب جیسے ولی سے کب ایسی عقیدت رکھ سکتا تھا کہ اپنی بیٹی کا رشتہ ان کو دیتا۔

۱۱- اب رہی یہ بات کہ بلبن درویشوں سے عقیدت رکھتا تھا اور ان کے گھروں پر جایا کرتا تھا اور اگر ان میں سے کوئی فوت ہو جاتا تو اس کے جنازہ میں شرکت کرتا اور تعزیت کے لیے اس کے لواحقین کے پاس جاتا اور ان کو نقدی اور کپڑے عطا کرتا۔ ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں۔ وہ ضرور ایسا کرتا ہوگا، لیکن یہ اس کی نیکی کی دلیل نہیں ہے۔ بڑے بڑے جابر اور فاسق بادشاہ درویشوں سے عقیدت رکھتے تھے لیکن اس عقیدت کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان سے اپنی بیٹیاں بیاہ دیتے تھے، ایسے بادشاہوں کے متعلق علامہ عبد الرحمٰن ابن جوزی رقمطراز ہیں:

"معاصی پر اصرار کے ساتھ ساتھ ان کو صلحاء کی ملاقات کا بھی بڑا شوق ہوتا ہے اور اس سے وہ اپنے حق میں دعائیں کراتے ہیں، شیطان ان کو سمجھاتا ہے کہ اس سے گناہوں کا پلڑا ہلکا ہو جائے گا، حالانکہ اس خیر سے اس شر کا دفعیہ نہیں ہو سکتا۔"[3]

---

[1] رحلۃ ابن بطوطہ، جلد دوم، مطبوعہ قاہرہ ۱۸۶۹ء، ص ۲۱۔

[2] نورالحق، زبدۃ التواریخ، قلمی نسخہ، برٹش میوزیم لندن، نمبر ایڈیشنل ۱۰۵۸۰، ورق ۱۵ ب،

[3] ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، حصہ اول، مطبوعہ اعظم گڈھ ۱۹۵۵ء، ص ۲۱۸

(مولانا علی میاں نے نقد مسالک الولاۃ والسلاطین کا حوالہ دیا ہے جو لاہور میں موجود نہیں)۔

مؤرخین نے بلبن کی جس درویش نوازی کا بڑے زور و شور سے ڈھنڈورا پیٹا ہے وہ سطور بالا کی روشنی میں اس کی نیکی کی دلیل نہیں بن سکتی۔

۱۲۔ بابا صاحبؒ کی وفات کے بعد بابا صاحبؒ کی اولاد کے ساتھ، جو اس مفروضہ رشتہ کی بنا پر بلبن کے نواسے ہوتے ہیں، بلبن نے اگر کوئی سلوک کیا ہوتا تو اس کا ذکر تذکروں میں ضرور ہوتا، آخر ان میں سے کبھی تو ایسے درویش صفت نہ تھے جو ہدیۂ سلطانی کو رد کر دیتے۔ بابا صاحبؒ کے ایک فرزند نظام الدین تو سرکاری ملازمت کو عار نہ سمجھتے تھے کم از کم وہ تو جاگیر قبول کر لیتے۔

۱۳۔ اگر واقعی بابا صاحبؒ نے بلبن کی بیٹی سے عقد کیا تھا تو اس کا ذکر حضرت نظام الدین اولیاء یا شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے کیوں نہیں کیا۔

سطور بالا میں جو کچھ عرض کیا گیا اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ جہاں تک مستند تاریخی شواہد اور براہین کا تعلق ہے حضرت بابا صاحب کے ساتھ سلطان غیاث الدین بلبن کی کسی بیٹی کی نسبت محض ایک افسانہ ہے اور حقیقت سے اس کا دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔

اٹھارہویں صدی عیسوی کی ہندوستانی معاشرت پر سب سے زیادہ قابل قدر کتاب مرزا محمد حسن قتیل کی

ہفت تماشا

جو ابھی تک اُردو داں طبقے کی نگاہوں سے اوجھل تھی۔ اب ڈاکٹر محمد عمر استاد شعبۂ تاریخ، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی نے اسے سلیس اور بامحاورہ اُردو میں منتقل کر کے ہندوستانی تہذیب و معاشرت کے طالب علموں اور محققوں کے لیے اس انمول ذخیرۂ معلومات کا افادہ عام کر دیا ہے۔ اٹھارہویں صدی میں شمالی ہند کی تہذیبی سرگرمیاں ہوں، یا سیاست، شعر و شاعری ہو یا مذہبی تحریکات یا سماجی رسوم ان کا مطالعہ کرنے والا کوئی ناقد اس کتاب کو نظر انداز کر کے اپنے موضوع سے انصاف نہیں کر سکتا۔

کتاب کے شروع میں جناب نثار احمد فاروقی کے قلم سے ایک مفصل مقدمہ اور جناب مالک رام کا لکھا ہوا تعارف بھی شامل ہے۔

سائز متوسط ۲۰×۲۶/۸ صفحات ۲۴۱ اس ماہ پریس سے آجائے گی۔

ندوۃ المصنفین دہلی